The Study of Religion and History
Online ISSN : 3006-3337 Print ISSN : 3006-3329
https://srhjournal.com/index.php/39/about

Baltistan Region and Balti Language

خطہ بلتستان اور بلتی زبان

Dr. Jamil Hussain[1], Dr. Abdul Sattar Malik[2]
Lecturer, Islamabad Model College for Boys G-10/4, Islamabad[1] at- jh2094@gmail.com
Lecturer Urdu, AIOU,Islamabad[2] at- abdul.sattar@aiou.edu.pk

Abstract

The region of Baltistan is located in the north of Pakistan and Balti is the major language of Baltistan spoken in the region. Balti people were originated Mangol. In the past Baltistan was linked with Tibet and the part of great Tibet as well, later on due to influences of the preachers of Islam the whole region was converted to Islam and now the total population of Baltistan is Muslims. Balti language related to Sino Tibetan language family and closer to Tibeto Burman branch of Sino Tibetan language family. The article reflects brief information about Baltistan region and Balti language.

Key words: Baltistan, Balti, Tibet, Sino Tibetan, History, Ariyan, Mangol

بلتستان میں آباد نسل بلتی کہلاتی ہے آبادی کے تناسب سے بلتستان میں تقریباً ساٹھ فیصد نسل منگول کی ذیلی بلتیوں کی شاخ 'تبتی' سے تعلق رکھتی ہے اور اس وقت سارے بلتستان میں پھیلی ہوئی ہے۔ بلتی نسل کے لوگ بلتستان کے علاوہ کرگل اور لداخ میں بھی آباد ہیں اور ان کی تہذیب و ثقافت کا ڈھانچہ تین بڑی قوموں پر استوار ہے جن میں مون، منگول اور آریائی تہذیبیں شامل ہیں۔ بلتی قوم بلتستان اور اس کے گردونواح میں کب سے آباد تھی اس ضمن میں محققین ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے ہیں تاہم قرائن بتاتے ہیں کہ بلتستان میں انسانی آبادکاری کا سلسلہ آج سے تقریباً پانچ ہزار سال قبل شروع ہو چکا تھا اور یہاں جو قوم آباد تھی وہ نسلاً منگول قوم سے تعلق رکھتی تھی۔ چنانچہ محمد حسن حسرت اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> ”محققین اب تک کسی حتمی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے ہیں کہ تبتی قوم اور ان کی زبان کی تاریخ کہاں سے اور کب سے شروع ہوئی لیکن روایات و آثار سے معلوم ہوا ہے کہ اس علاقے میں انسانی آبادی کا آغاز آج سے پانچ ہزار سال پہلے ہو چکا تھا اور یہاں منگول نسل آباد تھی۔“[i]

The Study of Religion and History
Online ISSN : 3006-3337 Print ISSN : 3006-3329
https://srhjournal.com/index.php/39/about

بلتستان کے لوگ بہادر اور شجاع تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم ایام سے اب تک یہاں کے لوگوں پر حملہ آور اقوام کی تہذیب کے اثرات اتنے قوی نہیں ہیں، اگرچہ دوسری تہذیبوں کے اثرات کے بالکل نہ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ بلتستان کے لوگ بنیادی طور پر تبتی الاصل ہیں لیکن دیگر اقوام جیسے یونانی، ایرانی، مغلوں اور کشمیریوں کی آمد ورفت اور تہذیبوں کے تصادم کے نتیجے میں ان کے رہن سہن دیگر تبتیوں سے مختلف ہوگئے ہیں۔ بلتستان کے لوگوں کی شکل وصورت، امن پسندی اور تہذیبی وثقافتی خدوخال بیان کرتے ہوئے سید محمد عباس کاظمی لکھتے ہیں:

> "بلتی تبتیوں کی نسبت زیادہ خوش شکل اور بلند قامت ہوتے ہیں، فطری طور پر بلتی قوم امن پسند، جرائم سے دور، مہمان نواز اور انسان دوست ہے۔ ایک دوسرے سے بغیر کسی درجہ بندی کے گھل مل جاتے ہیں اور مختلف خوشی وغمی کے موقع پر ایک دوسرے کی خوشی اور دکھ میں شریک ہوتے ہیں۔ زمانہ قدیم میں بہت سارے رسوم اور تہوار ہوتے تھے، فصل کی کٹائی، موسم بہار اور خزاں کے کچھ رسومات اب بھی مناتے ہیں اور رنگین انڈے ٹکرانے کا کھیل بہت شوق سے بچے جوان کھیلتے ہیں۔"[ii]

مشہور انگریز مؤرخ اے ایچ فرینک نے اپنی کتاب A History of Western Tibet میں دوسرے بہت سے مؤرخوں کی طرح یہ رائے قائم کی ہے کہ بلتستان کے لوگ آریائی اور تبتی نسل سے ہیں اور کہا ہے کہ دیگر تبتی علاقوں کی نسبت "درد" کے عناصر بلتستان میں زیادہ مضبوط ہیں۔ اس کے بقول:

> "The population of Baltistan, as well as that of the rest of western Tibet, consists of Aryan and Tibetan elements; but it has been supposed by several writers, in Baltistan the Dard element is somewhat stronger than in other parts of the country, and this may account for certain superiorities in the character of the Baltist."[iii]

اسلام کی تبلیغ سے قبل بلتستان کے لوگ بون چھوس مذہب کے پیروکار تھے جس کی بنیاد مظاہر پرستی اور اوہام پرستی پر قائم تھی۔ پھر بدھ مت کی تبلیغ واشاعت کے نتیجے میں پورے علاقے پر بدھ مت مذہب رائج ہوگیا۔ ۱۳۸۲۔۸۳ میں اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کی غرض سے کشمیر کے راستے سے حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ بلتستان تشریف لائے اور ان کے اثر اور تبلیغ سے اس علاقے میں اسلام تیزی سے پھیلنا شروع ہوا اور پھر ایک وقت ایسا آیا کہ بدھ مت مذہب کا مکمل خاتمہ ہوا اور اب الحمدللہ سارا خطہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ بدھ مت دور کے مختلف آثار بلتستان کی بعض جگہوں پر اب بھی موجود ہیں جن میں سکردو شہر کے قریب سدپارہ جھیل کی طرف جاتے ہوئے پہاڑ پر بدھا کی تصویر شامل ہے۔ اے ایچ فرینک کے مطابق مغربی تبت میں سے خطہ بلتستان کے لوگ سب سے پہلے مسلمان ہوئے، چنانچہ اپنی کتاب میں لکھا ہے:

The Study of Religion and History
Online ISSN : 3006-3337 Print ISSN : 3006-3329
https://srhjournal.com/index.php/39/about

"The Baltis were the first western Tibetans who became Mussulmans, although we have no definite record to go by, Conningham makes it probable that the change of religion took place sometime about 1400."[iv]

اگرچہ فرینک نے صریح وضاحت نہیں کی ہے کہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کس طرح ہوئی اور کن حالات میں یہاں کے لوگوں نے دین اسلام قبول کیا اور نہ اس بات کے ٹھوس شواہد پیش کیے کہ ۱۴۰۰ء میں ہی اسلام کا دین مقبول ہوا۔ ڈاکٹر ممتاز منگلوری نے لکھا ہے کہ بلتستان میں بدھ مت کی تبلیغ دوسری صدی عیسوی کے دوران میں ہوئی۔ چنانچہ ہندوستان کے بعض علاقوں میں مون قبائل کے ہزاروں لوگ اپنے مذہب کی تبلیغ کی غرض سے آئے اور پھر یہیں آباد ہو گئے۔

"بلتستان کی تقریباً ساٹھ فیصد آبادی منگول کی ذیلی شاخ 'تبتی' سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ سارے بلتستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اسی نسل کی وجہ سے اس علاقے میں بلتی زبان پھیلی۔ دوسری صدی عیسوی کے دوران میں ہندوستان کے مون قبائل کے ہزاروں افراد بدھ مت کی تبلیغ کے لیے بلتستان میں پہنچے اور وہیں آباد ہو گئے۔"[v]

مذکورہ مباحث کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بلتی تبتی الاصل ہے اور اس وقت دنیا میں تقریباً ستر لاکھ سے زائد افراد بلتی بولتے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق صرف بلتستان میں تقریباً چار لاکھ لوگ بلتی بولتے ہیں۔ پاکستان کے علاوہ چین، بھوٹان، نیپال، سکم اور ہندوستان کے کچھ علاقوں میں بھی بلتی نسل موجود ہے۔

خطہ بلتستان اور اس کا جغرافیہ

خطہ بلتستان کوہ قراقرم اور کوہ ہمالیہ کے درمیان میں اور دریائے سندھ کے اطراف ایک حسین و جمیل اور جاذب نظر علاقہ ہے۔ جو پہاڑی سلسلوں میں چھپا ہونے کی وجہ سے ماضی میں ملکی اور بین الاقوامی سطح پر شہرت عام حاصل نہ کر سکا، جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے یہ سرزمین توجہاتِ عام کا مرکز بنتی جا رہی ہے۔

پرانے وقتوں میں بلتستان کو مختلف ناموں سے پکارا جاتا رہا۔ کبھی "پلو" اس کا نام پڑ گیا تو کبھی بلور، کبھی بالتی جب کہ مغل اسے تبت خورد کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ مقامی باشندے "یُل" یعنی ملک/شہر کا لاحقہ لگا کر اسے "بلتی یُل" کہتے ہیں۔ بعد میں مسلمان مبلغین اور اسلام کے زیر اثر فارسی کے الفاظ بلتی زبان میں بھی در آئے اور فارسی کی مناسبت سے "ستان" کا لاحقہ لگانے سے اس کا نام بلتستان پڑ گیا اور اب اسی نام سے مشہور و معروف ہے۔ یوسف حسین آبادی کے بیان کے مطابق یونانی مؤرخ بطلیموس نے "بیالتے یا بیالتی" ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں:

"آٹھویں صدی عیسوی تک پولولو کے نام سے معروف تھا۔ تبت اور لداخ والے اس علاقے کو بلتی اور باشندوں کو بلتی پا کہتے ہیں۔ بلتی اس کا قدیم ترین نام ہے۔ دوسری صدی عیسوی میں یونانی

The Study of Religion and History
Online ISSN : 3006-3337 Print ISSN : 3006-3329
https://srhjournal.com/index.php/39/about

جغرافیہ دان بطلیموس نے BYLTAE کا ذکر کیا ہے۔ جو محققین کے مطابق بالتی ہی کا تلفظ ہے۔ تبت والے بلتستان کو ناگ گونگ بھی کہتے ہیں۔"[vi]

بلتستان میں از منہ قدیم سے ہی آبادی کے اثرات ملتے ہیں۔ یہاں کی تہذیب بہت پرانی ہے۔ بعض مؤرخین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ علاقہ حضرت عیسیٰؑ سے کئی ہزار سال قبل موجود تھا۔ چنانچہ یہاں کی قدامت اور اسے بلتی نام سے پکارے جانے کی تاریخی دلیل پیش کرتے ہوئے بلتستان کے مشہور مؤرخ محمد نذیر لکھتے ہیں:

"بلتستان ایک قدیم خطہ ہے۔ یہاں کی تہذیب کے ارتقا میں ادب ایک ایسا حوالہ ہے جو علاقے اور معاشرے کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرتا ہے، کئی ہزار قبل مسیح میں یونانی مؤرخ بطلیموس نے اس علاقے کا ذکر کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بطلیموس کے زمانے میں یہ علاقہ موجود تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بلتی یل پکارا جانے لگا۔"[vii]

بلتستان پر مختلف اوقات میں مختلف اقوام کی طرف سے حملے ہوتے رہے ہیں۔ آٹھویں صدی عیسوی میں چائنہ کے حکمرانوں نے حملے کیے جب چین میں تانگ نامی خاندان برسرِ اقتدار آیا تو اس خاندان کے افراد نے حکومت کی بھاگ ڈور سنبھالتے ہی جنوبی اور مغربی چین میں اپنی مہمات کا آغاز کیا۔ ان مہمات کے نتیجے میں بلتستان کا خطہ بھی متاثر ہوا۔ اگرچہ اس وقت بلتستان کی ریاست مختصر سی تھی لیکن یہاں کے لوگوں نے چین کی عظیم حکومت کے خلاف شدید مزاحمت کی اور خطے پر ان کے قبضہ جمانے جیسے ارادے ناکام بنائے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخی کتب اور سفر ناموں میں لداخ اور بلتستان کو پلولو یا پولو کہا گیا ہے۔ کیونکہ اس وقت چین والے اس خطے کو "پولی لو پولو (Polio Polo)" کے نام سے پکارتے تھے۔ دسویں صدی میں بھی چین کی طرف سے حملے کیے گئے لیکن یہاں کے لوگوں نے تعداد میں کم ہونے کے باوجود چین کی طرف سے کیے جانے والے حملے ناکام بنائے۔ بلتستان کے دلاور اور شجاع لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے A. H. Franke نے لکھا ہے؛

"The Balti is, as history proves, rather braver than the average western Tibetan; he is quicker in adopting new methods and altogether more alert." [viii]

چائنہ حکومت کی طرف سے آٹھویں صدی عیسوی اور دسویں صدی عیسوی میں ہونے والے حملوں اور مقامی لوگوں کے اپنے خطے کے دفاع کے بارے میں A. H. Franke اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

"The last we had heard of the Baltis was their brave resistance against the chine's conquerors, in the eighth century. The tenth century brought the conquest of practically the whole of western Tibet by Nyima gon, and it is at least probable that in those

The Study of Religion and History
Online ISSN : 3006-3337 Print ISSN : 3006-3329
https://srhjournal.com/index.php/39/about

> wars Baltistan was also concerned, although nothing
> is said in the Tibetan chronicles."[ix]

دسویں صدی عیسوی سے قبل لداخ اور بلتستان لسانی، مذہبی اور تہذیبی اعتبار سے تبت کی عظیم ریاست کا حصہ تھے۔اس وقت تک تبت کی وسیع ریاست کا شہرہ ہر جگہ تھا لیکن جب نویں صدی عیسوی میں لنگ درما کے قتل کے ساتھ ہی تبت میں خانہ جنگی ہوئی اور نتیجتاً تبت کی حکومت ٹوٹ گئی۔

قدیم روایات کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے بھی قبل ایک اساطیری اور دیومالائی کردار کی جسے کیسر اعظم کہا جاتا ہے لداخ، لہاسہ، کرگل اور بلتستان پر حکومت تھی۔اس بادشاہ کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ برائیوں کو دور کرنے اور مظالم کے سد باب کے لیے آسمان سے اتارا گیا تھا۔اس نے نہ صرف مذکورہ بالا علاقوں پر حکومت کی بلکہ گلگت، ہنزہ اور نگر پر بھی حملے کیے۔ مقامی زبان میں اسے ''ہلفو کیسر'' کہا جاتا ہے اور بلتی زبان کے قصے کہانیوں میں اس کی داستان کو لوک داستان کی حیثیت حاصل ہے جو کہ بلتی زبان و ادب کی رزمیہ داستانوں کا ایک اہم حصہ ہے۔اس داستان کے کل بارہ ابواب ہیں اور گزشتہ زمانوں میں بلتستان کے ہر گاؤں کی سطح پر اس داستان کو سننے اور سنانے کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔چنانچہ گاؤں کے مرد عورتیں سردیوں میں ایک جگہ جمع ہوتے تھے اور درمیان میں الاؤ روشن کیا جاتا تھا لوگ اس کے گرد دائرے کی شکل میں بیٹھ جاتے تھے۔ بزرگ لوگ کیسر کی داستان سناتے تھے جب کہ دیگر افراد ذوق وشوق اور انہماک سے سنتے رہتے تھے۔یوں یہ داستان سینہ بہ سینہ اور نسل در نسل چلتی رہتی۔بلتستان پاکستان کے شمال میں واقع ہے اور یہ علاقہ چھبیس ہزار دو سو چھے مربع کلو میٹر رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔گلگت بلتستان دو ریجنوں پر مشتمل ہے اور ان میں سے ایک بلتستان ہے۔بلتستان کے کل چار اضلاع سکردو، گنگچھے، کھرمنگ اور شگر ہیں۔

> ''پاکستان کے انتہائی شمال میں سلسلہ کوہ قراقرم و ہمالیہ کے درمیان دس ہزار ایک سو اٹھارہ مربع میل پر پھیلا ہوا پہاڑی علاقہ بلتستان کہلاتا ہے جو سکردو، کھرمنگ، رونگ یل اور گلتری کی وادیوں پر مشتمل ہے۔بلتستان کے جنوب میں وادی کشمیر، مشرق میں لداخ و پوریگ (کرگل) ، مغرب میں ضلع گلگت اور دیامر کی وادیاں ہیں جب کہ شمال میں قراقرم کے برف پوش سلسلے بلتستان کو چینی صوبے سنکیانگ سے الگ کرتے ہیں۔''[x]

بلتستان ۳۴ء۵۰ درجے سے ۳۶ درجے عرض بلد شمالی اور ۷۵ درجے سے ۷۷ء۸۰ درجے طول بلد مشرقی کے درمیان میں واقع ہے اور سطح سمندر سے اس کی بلندی ساڑھے سات ہزار سے آٹھ ہزار فٹ ہے۔بلتستان کی سرزمین گلیشیر اور برف پوش پہاڑی سلسلوں سے مالا مال ہے۔ قطبین کے بعد دنیا کے سب سے بڑے گلیشیر اسی خطے میں موجود ہیں۔سیاچن گلیشیر، بیافو، بلترو، چھوغولونگما اور ریئنگمولونگما بھی بلتستان میں واقع ہیں۔کوہ قراقرم کے سلسلے کا دوسرا بلند ترین پہاڑ جس کی بلندی ۸۶۱۱ میٹر ہے اسی علاقے میں موجود ہے جو K-2 کے نام سے مشہور ہے جس کا مقامی نام چھوغوری ہے۔علاوہ ازیں دنیا کی بہت سی بلند چوٹیاں یہاں واقع ہیں جن میں گیارھویں نمبر کی بلند چوٹی رگشہ بروم کی بلندی ۸۰۴۸ میٹر ہے جب کہ رگشہ بروم II کی بلندی ۸۰۳۵ میٹر ہے۔یہاں کی بلند ترین چوٹیوں سے متعلق ڈاکٹر ممتاز منگلوری لکھتے ہیں کہ سلسلۂ قراقرم کی تین سو چوٹیوں میں سے ایک سو پچاس چوٹیاں بلتستان کی حدود میں واقع ہیں۔ان مشہور چوٹیوں میں گشہ بروم III ۷۸۲۱ میٹر بلند ہے۔[xi]

Online ISSN : 3006-3337 Print ISSN : 3006-3329
https://srhjournal.com/index.php/39/about

سلسلۂ قراقرم میں تقریباً تین سو اونچی چوٹیاں ہیں۔ دوسرا پہاڑی سلسلہ کوہ ہمالیہ کا ہے جو دیامر میں دریائے سندھ کے کنارے سے شروع ہوتا ہے اور بلتستان کے جنوب کی طرف سے ہوتا ہوا مشرق میں تقریباً پندرہ سو میل تک پھیلا ہوا ہے۔ لفظ ''ہمالیہ'' سنسکرت زبان سے ماخوذ ہے جس کے معنی برف کا گھر کے ہیں۔ ۸۱۲۶ میٹر بلند چوٹی نانگا پربت اسی حصے میں واقع ہے دنیا کی بلند ترین چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ کا تعلق بھی اسی پہاڑی سلسلے سے ہے۔ چوں کہ کوہ ہمالیہ کا ایک حصہ پاکستان میں جب کہ دوسرا حصہ نیپال میں ہے بلتستان کے انھی پہاڑی سلسلوں سے متعلق یوسف حسین آبادی نے اپنی کتاب ''تاریخ بلتستان'' میں لکھا ہے:

> ''بلتستان کی ریاست جب ۱۵۸۸ء تا ۱۶۷۳ء تک عروج پر تھی تو مشرق میں پورانگ اور مغرب میں چترال تک کے تمام علاقے اس کی سرحدوں میں شامل تھے۔ اس وقت جنوب میں زوجی لہ اور شمال میں مستغ قراقرم اس کی سرحد تھے۔ بعد میں پوریگ، ہراموش اور استور کے علاوہ دیگر علاقے الگ ہوگئے۔ آخر الذکر دونوں علاقوں کو بعد میں ریاست جموں و کشمیر ڈوگرہ حکومت نے انتظامی لحاظ سے ضلع گلگت میں شامل کر دیا۔''[xii]

بلتستان کے عروج کا زمانہ ۱۵۰۰ء سے لے کر ۱۶۰۰ء تک کا ہے۔ اس دور میں لداخ کے چینگ تھنگ کے میدان سے لے کر اور قراقرم کے پہاڑی سلسلے کے انتہائی شمال سے لے کر ہماچل پردیس کے ضلع سپیتی تک پھیلا ہوا تھا۔ ۱۶۰۰ء سے ۱۷۱۰ء کے درمیان میں علی شیر خان انچن کی حکومت قائم ہوئی۔ اس دور میں شرقاً و غرباً تبت کی جھیل مانسرہ سے لے کر وادی کیلاش اور شمالاً و جنوباً کوہستان ہزارہ کی شمالی حدود تک کے علاقے بلتستان کے حکمرانوں کے زیر تسلط تھے۔ بلتستان کا کل رقبہ ۱۰۱۱۸ مربع میل ہے کلو میٹر کے اعتبار سے ۲۶۲۰۵ بنتے ہیں جن میں سے تقریباً ۳۸۸ کلو میٹر کا علاقہ ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ کے نتیجے میں بھارت کے قبضے میں چلا گیا۔

سکردو اپنی وسعت اور پھیلاؤ کے سبب صدیوں سے بلتستان کے حکمرانوں کا دار الحکومت رہا ہے۔ موجودہ دور میں سیاحت کی طرف حکومتی میلان کی وجہ سے سکردو اور اس کے اطراف کے علاقے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر سیاحوں کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ سکردو اور اس کے گردونواح میں موجود مشہور سیاحتی مقامات میں قلعہ کھرفوچو، شنگریلا، کچورا جھیل، ست پارہ جھیل اور دیوسائی کا وسیع و عریض میدان شامل ہیں۔ سکردو سے ملحق شگر کی وادی ہے جس کے بیچوں بیچ دریائے شگر بہتا ہے۔ دریا کے دونوں جانب چھوٹے چھوٹے گاؤں آباد ہیں۔ شگر میں واقع قدیم فورٹ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ وادی شگر بلتستان کی بلند و بالا چوٹیاں چھوغوری (K-2)، رگشہ بروم 4(K-3) و (K-5) واقع ہیں۔ وادی شگر چین کے صوبے سنکیانگ کی سرحد تک پھیلی ہوئی ہے۔

وادی خپلو سکردو سے تقریباً سو کلو میٹر کے فاصلے پر دریائے شیوک کے اطراف میں واقع ہے۔ یہ وادی چین کی سرحد اور درہ قراقرم تک پھیلی ہوئی ہے جب کہ دوسری طرف بھارت کی سرحد لگتی ہے۔ خپلو ضلع گنگچھے کا صدر مقام ہے ضلع گنگچھے میں موجود چوٹیوں میں مشہ بروم (K-1) اور K-6, K-7, K-12 اور K-13 شامل ہیں۔ خپلو کے مشہور سیاحتی مقامات میں قدیم تاریخی مسجد چقچن اہمیت کی حامل ہے۔

قطبین کے بعد دنیا کا سب سے بڑا سیاچن گلیشیر بھی گنگچھے میں ہے۔ علاوہ ازیں رینگمو گلیشیر بھی اسی ضلع میں ہے۔ جس کی تعمیر ۱۳۷۰ء میں سید علی ہمدانی کے ہاتھوں ہوئی تھی۔

The Study of Religion and History
Online ISSN : 3006-3337 Print ISSN : 3006-3329
https://srhjournal.com/index.php/39/about

بلتستان کی وادیوں میں سے ایک وادی کھرمنگ ہے۔ کھرمنگ خالصتاً بلتی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں بہت زیادہ قلعے، قلعوں کی بہتات کی وجہ سے اس کا یہ نام پڑ گیا۔ اور یہی اس کی وجہ تسمیہ ہے۔ وادی کھرمنگ دشوار گزار ہے اور دریائے سندھ کی دونوں جانب کرگل تک پھیلی ہوئی ہے۔ جو پہاڑی سلسلہ اس علاقے سے ہو کر گزرتا ہے وہ کوہ ہمالیہ کا سلسلہ ہے۔ کھرمنگ میں منٹھوکھا کے مقام پر موجود منٹھوکھا آبشار سیاحوں کے لیے کشش کا باعث ہے۔ سکردو سے گلگت کی طرف آتے ہوئے کچورا کراس کرتے ہی جو وادی شروع ہوتی ہے وہ وادی روندو کہلاتی ہے اور ہراموش تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے گاؤں دریائے سندھ کے دونوں جانب آباد ہیں۔

وادیٔ گلتری بلتستان کی وادیوں میں سب سے چھوٹی وادی ہے جو سطح مرتفع دیوسائی کے مشرق میں واقع ہے۔ اس میں تقریباً نو دس چھوٹے گاؤں آباد ہیں۔ برف باری کے سبب یہاں کے راستے سال کے اکثر مہینے بند رہتے ہیں اس وجہ سے یہاں کا رابطہ سکردو سے منقطع ہو جاتا ہے کیونکہ اس وادی میں برف باری بہ کثرت ہوتی ہے۔ ثانیاً یہاں کا راستہ دیوسائی سے ہو کر گزرتا ہے اور دیوسائی میں بھی بلتستان کے دیگر علاقوں کی نسبت برف کثرت سے پڑتی ہے۔ بلتستان کے لوک ادب میں بھی یہاں کے جغرافیہ اور مقامات کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔ سکردو اور اس کے صدر مقام کے بارے میں محمد حسن حسرت رقم طراز ہیں:

> ''لوک روایات میں جن افسانوی حکمرانوں کا تذکرہ ملتا ہے ان میں 'رگیالو ستر البو' کا نام قابل ذکر ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ وادیٔ سکردو پر رگیالو ستر البو کی حکومت تھی جس کا صدر مقام رگیایل تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا رگیالو چولو بزانگ کا نام رگیایل نامی ریاست کے دیومالی حکمرانوں میں گنا جاتا ہے۔''[xiii]

سکردو پر مقپون خاندان کی بھی حکومت رہی ہے۔ تاریخی روایات کی رو سے تیرھویں صدی میں سکردو کا حکمران نرینہ اولاد سے محروم ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک خوش شکل نوجوان فقیر کے بھیس میں دیوسائی کے راستے سے آکر سکردو کے قریب کسی غار میں ٹھہر گیا۔ لوگوں نے اس سے استفسار کیا کہ تم کہاں سے آئے ہو تو اس نے دیوسائی کی جانب موجود پہاڑ کی بلندی کی طرف اشارہ کیا، غالباً زبان مختلف ہونے کے سبب اس نے اشاروں میں بات کی تو لوگ سمجھے کہ وہ آسمان سے اترا ہے۔ تاریخی کتب کے مطابق اس نوجوان کا نام ابراہیم تھا جو مصری یا ایرانی نژاد تھا اور کشمیر کے راستے سکردو پہنچا تھا۔ سکردو کے مقامی حاکم نے ابراہیم کو اپنا داماد بنا لیا۔ بلتی میں گھر داماد کو ''مقپا'' کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اسے لوگ حاکم کے داماد ہونے کے سبب احتراماً ''مقپون'' کہنے لگے۔ مقامی حاکم کی وفات کے بعد ابراہیم مقپون سکردو کا حکمران بن گیا اور یوں مقپون حکمران خاندان کی بنیاد پڑی۔ اس خاندان نے تقریباً ساڑھے چھ سو سال تک حکومت کی۔ ابراہیم مقپون ایک سچا اور راسخ العقیدہ مسلمان تھا لیکن اس کی نسل میں آنے والے مقپون اپنے قدیمی طور طریقے چلاتے رہے یہاں تک کہ تاریخی اختلافات کے مطابق چودھویں، پندرھویں یا سولھویں صدی عیسوی میں حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی بلتستان تشریف لائے اور اسلام کی تبلیغ شروع کی اور سارا خطہ اسلام کے نور سے منور ہو گیا۔ اسی زمانے میں بہرام چو نے روندو کے والی سے وہ علاقہ چھین کر سکردو میں شامل کر لیا۔ بہرام چو کا بیٹا جس کا نام بوخا آیا تھا نے اپنے دور حکومت میں سکردو شہر آباد کیا۔ رگیایل سے دار الحکومت سکردو منتقل کیا اور سکردو کا مشہور و معروف قلعہ کھرفوچو تعمیر کیا۔ اسی زمانے میں میر شمس الدین عراقی کی بلتستان میں آمد ہوئی اور اسلام کی تبلیغ کی خاطر انھوں نے آٹھ سال بلتستان میں قیام کیا۔ بہرام چو کے بعد اس کا بیٹا بوخا یہاں کا حاکم بنا۔ اس کے بعد اس

The Study of Religion and History
Online ISSN : 3006-3337 Print ISSN : 3006-3329
https://srhjournal.com/index.php/39/about

کے بیٹے شیر شاہ نے حکومت کی بھاگ ڈور سنبھالی اور پھر اس کا بیٹا علی خان حکمران بنا۔ علی خان کی حکومت کے آغاز سے ہی مقپون خاندان کا عروج کا زمانہ شروع ہوا اور تاریخ اسے علی شیر خان انچن کے نام سے یاد کرتی ہے۔

ڈاکٹر ممتاز منگلوری علی شیر خان انچن کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "مقپون سربرآوردہ حکمرانوں میں شیر علی انچن کا نام تاریخ میں سنہرے حروف میں رقم ہے۔ شیر علی نے اپنی بہادری سے تبت سے گلگت و چترال تک اپنی سلطنت کو وسعت دی۔ اس کے تعلقات مغلوں کے ساتھ بھی قائم ہو گئے اس کی بیٹی شہزادہ سلیم (جہانگیر) سے بیاہی گئی۔ شیر علی انچن نے اپنی سلطنت کو محفوظ بنانے کے لیے ایک سو میل طویل دیوار تعمیر کی۔ اس میں دروازے اور برج بنائے۔"[xiv]

علی شیر خان انچن کا دور حکومت مقپون خاندان کے عروج کا دور ہے لیکن اس کی وفات کے بعد اقتدار کے حصول کے لیے خانہ جنگی شروع ہوئی اور سالوں تک سلطنت بحران کا شکار رہی۔ بعد میں شاہ مراد آیا جو بڑا سلجھا ہوا اور مدبر حکمران ثابت ہوا۔ اس نے برشال سے لے کر لداخ تک تمام علاقے اپنے ماتحت کر لیے۔ شاہ مراد نے اپنی بہتر حکمت عملی کے باعث اس وسیع سلطنت کو منظم اور یکجا کیے رکھا لیکن جیسے ہی اس نے وفات پائی تو اس کے ساتھ ہی پھر خانہ جنگی کا آغاز ہوا۔ یہاں تک کہ ۱۷۱۰ء میں رفیع خان سکردو کا حکمران بنا اور اس نے ۱۷۱۰ء سے ۱۷۴۵ء تک سکردو پر حکومت کی۔ رفیع خان کے بعد مقپون حکومت روبہ زوال ہونی شروع ہوئی۔ احمد شاہ مقپون اس خاندان کا آخری والی ہے۔ احمد شاہ کی حکومت ۱۸۰۰ء سے ۱۸۴۰ء تک رہی لیکن اس کے دور حکومت میں سلطنت اندرونی طور پر کمزور ہو چکی تھی اور کئی پہلوؤں سے انتشار و اختلاف کا شکار تھی۔ دوسری طرف کشمیر کے ڈوگرہ حکمرانوں نے حملے شروع کیے۔ احمد شاہ نے بڑی بہادری سے ڈوگرہ حکومت اور اس کی فوج کا مقابلہ کیا لیکن مقامی سرداروں نے اس کا ساتھ نہ دیا اور اس کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ یوں احمد شاہ کو ڈوگرہ فوج کے مقابلے میں شکست ہوئی اور احمد شاہ اہل و عیال اور خاندان کے افراد سمیت قیدی بن کر کشمیر پہنچا۔

ڈوگرہ راجاؤں کی حکومت کم و بیش سو سال تک قائم رہی۔ ڈوگروں کی حکومت کا زمانہ اہل بلتستان کے لیے بدترین ثابت ہوا اور یہاں کے باسیوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے۔ بلتستان کے لوگوں کو جسمانی طور پر مختلف اذیتوں کا نشانہ بناتے رہے۔ لیکن انھوں نے ڈوگرہ حکومت کے دل سے تسلیم نہیں کیا۔ جب ہندوستان کی تقسیم عمل میں آئی تو بلتستان کے غیور اور نڈر لوگوں نے ڈوگرہ راج کے خلاف جنگ کا اعلان کیا اور کم و بیش چھ ماہ تک گمسان کی جنگ جاری رہی۔ بالآخر خطۂ بلتستان ڈوگروں کے جبر و تشدد اور ظلم و ستم سے آزاد ہو گیا۔ اور یہاں کے لوگوں نے دین اسلام کی بنیاد پر بلتستان کا اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ساتھ الحاق کر لیا۔

بلتی زبان

بلتی زبان اپنی اصل کے اعتبار سے تبتی زبان ہی ہے۔ اور اس کی تاریخ بھی بہت پرانی ہے جس طرح تبتی قوم کی تاریخ پرانی ہے۔ بعد میں تبت میں ہونے والی خانہ جنگی، بلتستان میں اسلامی اثر و نفوذ اور چند دیگر جغرافیائی و ثقافتی محرکات کے باعث بلتی کا اپنی اصل سے رشتہ ناطہ ٹوٹ گیا اور اس نے اپنی الگ شناخت قائم کی۔ محمد حسن حسرت بلتی زبان سے متعلق لکھتے ہیں:

"ماہرین لسانیات کے مطابق اس وقت تبتی زبان کے تیس مختلف لہجے رائج ہیں جو کہ ایک
دوسرے سے کافی مختلف ہیں لیکن کہا جاتا ہے کہ بلتستان میں بولی جانے والی بلتی کو تبتی زبان کے
دیگر لہجوں میں کلاسیکی حیثیت حاصل ہے۔[xv]"

اس وقت بلتستان، لداخ اور پوریگ میں جو زبان بولی جاتی ہے وہ بلتی کہلاتی ہے۔ موجودہ بلتی زبان اردو رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔ بلتستان میں اسلام کی آمد سے قبل اس زبان کا اپنا رسم الخط موجود تھا جسے "اگے" کہا جاتا ہے۔ بلتستان میں جب اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلے میں ایرانی مبلغین کے آنے اور اسلام کے پھیلاؤ کے نتیجے میں یہاں فارسی زبان کو ترجیح دی جانے لگی۔ جب کہ قدیم رسم الخط اگے کو بدھ مت تہذیب و ثقافت سے جڑا ہوا قرار دے کر ترک کر دیا گیا۔

بلتی رسم الخط کے متروک ہونے اور فارسی رسم الخط کے رائج ہونے سے متعلق "بلتی قاعدہ" کے مرتبین لکھتے ہیں:

"اصل رسم الخط کے متروک ہونے کے بعد بلتی شاعری کی تدوین کے لیے فارسی رسم الخط کو
بروئے کار لایا جاتا رہا کیونکہ لین دین کی تحریروں، معاہدے، وثیقے، خطوط اور دیگر دستاویزات
فارسی زبان ہی میں لکھی جاتی تھیں۔ اس لیے بلتی میں نظموں کے علاوہ اور کچھ لکھنے کی نوبت ہی
نہیں آئی۔[xvi]"

بعد میں بلتستان کا ناطہ تقسیم سے قبل ہندوستان اور پھر تقسیم کے بعد موجودہ پاکستان کے ساتھ قائم ہوا تو اردو رسم الخط رائج ہوا کیونکہ فارسی رسم الخط بلتی زبان کی بعض آوازوں کے ضبط تحریر میں لانے سے قاصر تھا۔

قدیم بلتی زبان میں چینی، منگولیائی اور سنسکرت الفاظ کثرت سے رائج تھے۔ تبت میں خانہ جنگی اور پھر اسلامی مبلغین کی بلتستان آمد کے نتیجے میں بلتستان کا ناطہ 'تبت' سے کٹ گیا، یوں بلتی اور تبتی زبان کے درمیان مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ فاصلے بڑھتے گئے اور اب صورت حال یوں ہے کہ بلتی اور تبتی ایک دوسرے کی گفتگو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ بہت سے الفاظ بالکل نامانوس معلوم ہوتے ہیں۔ جب کہ عربی اور فارسی الفاظ کثرت سے بلتی زبان میں داخل ہو رہے ہیں۔ جس طرح اردو کے بہت سے الفاظ بلتی زبان کے اصل الفاظ کی جگہ لے رہے ہیں۔

بلتی زبان سائنو تبتن (Sino Tibetan) زبان کی تبتو برمن (Tibeto Burman) شاخ سے تعلق رکھتی ہے اور مشہور تبتی زبان کی مغربی شاخ ہے بلتی زبان سائنو تبتن (Sino Tibetan) زبان کی تبتو برمن (Tibeto Burman) شاخ سے تعلق رکھتی ہے اور مشہور تبتی زبان کی مغربی شاخ ہے۔

ڈاکٹر ممتاز منگلوری بلتی زبان کے خاندان السنہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"بلتستان کی تقریباً ساٹھ فیصد آبادی منگول کی ذیلی شاخ تبتی سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ سارے
بلتستان میں پھیلی ہوئی ہے۔ اسی نسل کی وجہ سے اس علاقے میں بلتی زبان پھیلی۔ دوسری صدی
عیسوی کے دوران میں ہندوستان کے مون قبائل کے ہزاروں افراد بدھ مت کی تبلیغ کے لیے
بلتستان میں پہنچے اور وہیں آباد ہو گئے۔[xvii]"

The Study of Religion and History
Online ISSN : 3006-3337 Print ISSN : 3006-3329
https://srhjournal.com/index.php/39/about

تبتی زبان اور بلتی کے درمیان فاصلے بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ بلتی بلتستان کے علاوہ لیہ ڈسٹرکٹ کی وادی نبرہ اور لداخ ڈسٹرکٹ میں واقع کارگل میں بھی بولی جاتی ہے۔ اور یہ دونوں علاقے ہندوستان میں موجود ہیں۔ کارگل نبرہ اور بلتستان میں بولی جانے والی زبان کافی حد تک ملتی جلتی ہے اگرچہ لہجے مختلف ہیں لیکن یہاں کے لوگ ایک دوسرے کی بولی سمجھ لیتے ہیں جب کہ تبتی بلتی سے یکسر مختلف ہو گئی ہے اور بلتستان کے لوگ تبتی مشکل سے سمجھتے ہیں۔ جب کہ تبت کے رہنے والے بلتی مشکل سے سمجھتے ہیں۔ شاید کوئی ایک آدھ لفظ مماثل ہو لیکن اکثر الفاظ بالکل بدل گئے ہیں۔ ۲۰۱۴ء کے اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں تین لاکھ اناسی ہزار ۳۷۹۰۰۰ افراد بلتی بولتے اور سمجھتے ہیں۔ جب کہ دیگر ممالک کو بھی شامل کیا جائے تو اس کے بولنے والے پانچ لاکھ کے لگ بھگ ہیں۔ سائنو تبتن خاندان السنہ میں تبتو کنوری، بودش زبان، تبتک، لداخی بلتی اور بلتی زبانیں شامل ہیں۔ دیگر تبتی زبانوں کے مقابلے میں بلتی نرم لہجے کی حامل زبان ہے۔ جب کہ دیگر تبتی زبانوں کے لہجے نسبتاً سخت ہوتے ہیں۔

حوالہ جات

---

[i]۔ محمد حسن حسرت، اردو اور بلتی لسانی و ادبی اشتراک، مشمولہ پاکستانی زبانیں مشترک لسانی و ادبی ورثہ، شعبہ پاکستانی زبانیں، (علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء)، ص ۴۳۶

[ii]۔ سید عباس کاظمی، بلتی لوک گیت، (لوک ورثہ اشاعت گھر، اسلام آباد، اپریل، ۱۹۸۵ء) ، ص ۳۰

[iii]- A. H. Francke, A History of Western Tibet, one of the unknown empires, (Asian Educational Services, New Delhi, 1995), P.88

[iv]- Ibid., P.90

[v]۔ ڈاکٹر ممتاز منگلوری، مختصر تاریخ زبان و ادب گلگت بلتستان، (ادارہ فروغ قومی زبان، ۲۰۱۹ء)، ص ۱۲۰

[vi]۔ یوسف حسین آبادی، تاریخ بلتستان، (بلتستان بک ڈپو، نیا بازار سکردو، طبع دوم، ستمبر ۲۰۰۸ء) ، ص ۱

[vii]۔ محمد نذیر، بلتستان میں اسلامی ادب، (مشمولہ: معراج ادب، حلقہ علم و ادب سکردو بلتستان، شمارہ اول، اگست ۱۹۹۸ء) ، ص ۸۹

[viii]- [viii]- A. H. Francke, A History of Western Tibet, one of the unknown empires, (Asian Educational Services, New Delhi, 1995), P. 89

[ix]- Ibid., P.89

[x]۔ پاکستان کا ثقافتی انسائیکلوپیڈیا (جلد اول شمالی علاقہ جات)، (لوک ورثہ اسلام آباد، سن ندارد)، ص ۲۱۱

[xi]۔ ایضاً، ص: ۱۱۴

[xii]۔ یوسف حسین آبادی، تاریخ بلتستان، (بلتستان بک ڈپو، نیا بازار سکردو، طبع دوم، ستمبر ۲۰۰۸ء) ، ص ۳

[xiii]۔ محمد حسن حسرت، پاکستان کا ثقافتی انسائیکلوپیڈیا، (جلد اول شمالی علاقہ جات)، (لوک ورثہ اسلام آباد)، ص ۲۱۳

[xiv]۔ ایضاً، ص ۱۱۸،

[xv]۔ محمد حسن حسرت، اردو اور بلتی: لسانی و ادبی اشتراک، مشمولہ: پاکستانی زبانیں مشترک لسانی و ادبی ورثہ، (ڈاکٹر انعام الحق جاوید، عبد اللہ جان عابد)، (شعبہ پاکستانی زبانیں، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۰۹ء)، ص ۴۳۶

Online ISSN : 3006-3337 Print ISSN : 3006-3329
https://srhjournal.com/index.php/39/about

[xvi]۔ یوسف حسین آبادی ودیگر (مرتبین)، بلتی قاعدہ، (مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء)، ص ۷

[xvii]۔ ڈاکٹر ممتاز منظوری، مختصر تاریخ زبان وادب گلگت بلتستان، (ادارہ فروغ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۹ء)، ص ۱۲۰